پروفیسر محمد سلیمان اظہر ایم اے

# مدرسہ رحیمیہ دہلی

مدرسہ رحیمیہ دہلی برصغیر کے ان مدارس میں شامل ہے جو اگرچہ کسی حکومت کی سرپرستی کے بغیر قائم ہوا لیکن علوم قرآن و سنت کی ترویج میں دنیا بھر کے ممتاز مدارس میں شمار ہوا۔ آج دنیائے اسلام کا شاید ہی کوئی عالم ایسا ہو جو کسی نہ کسی واسطے سے اس مدرسہ کا خوشہ چین نہ ہو۔ حضرت شاہ عبدالرحیم، حضرت شاہ ولی اللہ، حضرت شاہ عبدالعزیز، حضرت شاہ رفیع الدین، حضرت شاہ عبدالقادر، حضرت شاہ عبدالغنی، حضرت شاہ اسمٰعیل شہید، حضرت شاہ محمد اسحاق اور شیخ الکل سید محمد نذیر حسین محدث اس مدرسہ میں مسند درس و افتاء کی زینت بنے۔ اتنے نامور علماء کا یکے بعد دیگرے یہاں مصروف درس رہنا اور دنیائے اسلام کے گوشے گوشے سے طلباء کا کھنچتے چلے آنا اس بات کا بین ثبوت ہے کہ معنوی لحاظ سے اتنا بڑا مدرسہ برصغیر میں آج تک دیکھنے میں نہیں آیا۔

پچھلے دنوں جناب مولانا مفتی محمود صاحب مدظلہم العالی کا ایک مضمون نوائے وقت لاہور میں شائع ہوا جس میں انھوں نے اس مدرسہ کا بانی جناب شاہ ولی اللہ کو قرار دیا تھا۔ مجھے حیرت ہوئی کہ اتنی بڑی شخصیت سے کیونکر ایسی بات ادا ہو گئی جو ایک عامی کے نزدیک بھی قابل گرفت ہے کیونکہ مدرسہ رحیمیہ شاہ ولی اللہ نے نہیں بلکہ شاہ عبدالرحیم نے قائم کیا تھا۔ حیات ولی میں مولوی رحیم بخش لکھتے ہیں:۔

"مدرسہ شاہ عبدالرحیم، شاہ عبدالرحیم نے اپنے مکان مہندیوں میں عہد عالمگیر میں قائم کیا تھا" (صد ۲۶۲) اور ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں "شیخ (عبدالرحیم) نے پرانی دہلی میں اس مقام پر ایک مدرسہ قائم کیا تھا جو اب مہندیوں کے نام سے مشہور ہے اور اس کا نام مدرسہ رحیمیہ رکھا۔"

گویا شاہ عبدالرحیم کے زمانے میں یہ مدرسہ مہندیوں میں قائم ہوا۔ اور شاہ ولی اللہ کے سفر حج سے واپس آنے کے بعد بھی وہیں رہا۔ پھر شاہجہان آباد منتقل ہو گیا۔ مولوی سید احمد لکھتے ہیں "روشن اختر شاہ بادشاہ کا زمانہ تھا اس نے چاہا کہ شاہ صاحب کے دم سے شاہجہان آباد کی عزت ہوئی کیا کہنا ہے۔ لہذا مولانا (شاہ ولی اللہ) کو بلایا اور ایک عالی شان مکان رہنے کو دیا (خاتمہ تاویل الاحادیث صد ۳۹)

یہ مکان اس محلے میں تھا جو کلاں محل کہلاتا تھا۔ اس مکان کا وہ حصہ جو شاہ صاحب کے خاندان کی سکونت کے لیے مخصوص تھا زنانہ کہلاتا تھا اور بیرونی حصہ جس میں درسگاہ تھی مدرسہ کہلاتا تھا۔

حضرت شاہ عبدالعزیز کے دور میں بھی مدرسہ اسی جگہ (کلاں محل) میں قائم رہا۔ البتہ ایک مدرس یعنی شاہ عبدالقادر نے اکبرآبادی مسجد کے حجرے میں اقامت اختیار کر لی۔ اس لیے طلبا ان سے متعلق اسباق کے لیے اکبرآبادی مسجد میں حاضری دیا کرتے تھے۔ شاہ اسحاق کے دور میں ایک اور تغیر ہوا کہ مقامات درس مزید تقسیم ہوئے۔ اصل اور قدیم مدرسہ واقع کلاں محل جو اس زمانے میں جیسا کہ مولوی بشیر الدین وغیرہ نے لکھا ہے مدرسہ شاہ عبدالعزیز کہلاتا تھا۔ ایک بڑی حویلی کا ایک حصہ تھا اور دوسرا حصہ زنانہ کہلاتا تھا جو در شاہ ولی اللہ و شاہ عبدالعزیز کی قیام گاہ تھا۔ شاہ عبدالعزیز کے نواسے شاہ اسحٰق و شاہ یعقوب بھی اپنی والدہ کی حیات میں یہیں سکونت پذیر تھے۔ شاہ اسحاق کی والدہ کا انتقال چونکہ اپنے والد (شاہ عبدالعزیز) کی زندگی میں ہو گیا تھا اس لیے شاہ عبدالعزیز نے ان دونوں نواسوں کی سکونت کے لیے ایک الگ قطعۂ زمین خرید کر اس پر عمارت تعمیر کروا دی۔ جہاں یہ دونوں بھائی رہتے اور درس دیتے۔ اس لیے یہ عمارت مدرسہ شاہ اسحاق کہلانے لگی۔ اور شاہ اسحاق ہی مدرسہ شاہ عبدالعزیز کے صدر مدرس اور نگران تھے۔ اس واقعہ کی تعبیر یوں بھی کی جا سکتی ہے کہ مدرسہ قدیم کا مقام تبدیل ہو گیا اور یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ مقامات درس تقسیم ہو گئے کیونکہ باقی اساتذہ (شاہ مخصوص اللہ اور شاہ محمد موسیٰ) قدیم مدرسہ ہی میں پڑھاتے تھے جسے مدرسہ شاہ اسحاق کی تعمیر کے بعد مدرسہ کہنہ بھی کہنے لگے تھے۔

اس کے بعد ذی قعدہ سنہ ۱۲۵۸ھ میں شاہ اسحاق حجاز چلے گئے۔ شاہ مخصوص اللہ تدریس سے دست کش ہو گئے اور گوشہ نشینی کی زندگی گزارنے لگے اور شاہ محمد موسیٰ شاہ اسحٰق کی ہجرت کے ۹ ماہ بعد رجب سنہ ۱۲۵۹ھ میں فوت ہو گئے۔

بظاہر یہ علمی بساط الٹ گئی۔ خاندان ولی اللٰہی میں کوئی فرد اس مدرسہ میں پڑھانے والا باقی نہ رہا۔ لیکن قدرت کو ابھی اس مدرسہ کا انجام منظور نہ تھا۔ اس لیے اس خاندان کے ایک روحانی بیٹے تلمیذ سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی اورنگ آبادی مسجد میں قال اللہ و قال الرسول کے نغمے الاپنے لگے۔ مدرسہ رحیمیہ کی وراثت ادھر منتقل ہو گئی۔ عوام الناس نے وہ لقب جو صرف خاندانِ ولی اللہ کے افراد کے لیے مخصوص تھا (یعنی میاں صاحب) وہ سید نذیر حسین کو دے دیا۔ اور آپ نے اپنے اساتذہ کی مسند پر بیٹھ کر اس دل جمعی سے کام کیا کہ نہ صرف اہل دہلی بلکہ سارا برصغیر آپ کو میاں صاحب کے لقب سے یاد کرنے لگا۔

ہمارے دیوبندی احباب کا کہنا ہے (i) مدرسہ نذیریہ مدرسہ رحیمیہ سے الگ کوئی ادارہ تھا (ii) شاہ اسحٰق کے جانشین میاں صاحب کی بجائے شاہ عبدالغنی مجددی ہوئے (iii) دیوبند کا مدرسہ مدرسہ رحیمیہ کی نشاۃ ثانیہ تھا۔

لیکن یہ تینوں باتیں واقعہ کے خلاف ہیں۔ مدرسہ نذیریہ اسی طرح مدرسہ رحیمیہ تھا جس طرح مدرسہ عزیزیہ، مدرسہ کہنہ، اکبرآبادی مسجد کا مدرسہ، کلاں محل کا مدرسہ شاہ اسحٰق، دراصل مدرسہ رحیمیہ کی مختلف شکلیں تھیں۔ اس زمانے میں نام کی بجائے کام چلتا تھا۔ ان بزرگوں نے صرف کام کیا مدرسوں کے نام رکھنے کی جانب توجہ نہیں دی، مدرسہ رحیمیہ کا نام بھی نہ شاہ عبدالرحیم نے رکھا نہ شاہ ولی اللہ نے نہ ان کے صاحبزادوں یا خلفاء نے بلکہ بہت بعد میں جاکر محض اس مناسبت سے کہ اس ادارہ علمی کا آغاز شاہ عبدالرحیم نے کیا تھا اسے مدرسہ رحیمیہ کہا جانے لگا جو شاہ ولی اللہ کی وفات سے بھی بعد کی بات ہے۔ دہلی میں جس جس جگہ اس خاندان کے افراد بیٹھ کر پڑھاتے رہے وہ جگہیں ان کے ناموں سے موسوم ہوگئیں اور بنیادی طور پر شاہ عبدالرحیم کے قائم کردہ مدرسہ کی مختلف شکلیں تھیں۔ اس وجہ سے مدرسہ نذیریہ بھی اسی طرح مدرسہ رحیمیہ ہے جس طرح مدرسہ عزیزیہ، مدرسہ رحیمیہ تھا۔ جس طرح شاہ اسحٰق والا کلاں محل میں واقعہ مدرسہ، مدرسہ رحیمیہ تھا۔ اور جس طرح اکبرآبادی مسجد میں شاہ عبدالقادر کی درسگاہ مدرسہ رحیمیہ تھی۔ اس لیے جگہ یا نام کی تبدیلی اصل پر اثر انداز نہیں ہوتی۔ دوسری بات کہ شاہ عبدالغنی مجددی جناب شاہ اسحٰق کے جانشین تھے۔ واقعتاً غلط ہے۔ کیونکہ شاہ صاحب کی ہجرت کے بعد ۹ ماہ تک تو ان کے بھائی شاہ محمد موسیٰ ہی درس دیتے رہے لیکن چونکہ ان کا آزادانہ کام کرنے کا عرصہ بہت مختصر ثابت ہوا اس لیے تاریخ میں انہیں نمایاں مقام نہ مل سکا۔ شاہ عبدالغنی مجددی کی عمر اس وقت ۲۵ سال تھی اور میاں صاحب کی عمر اس وقت ۴۰ سال کے لگ بھگ تھی۔ جس میں سے تیرہ سال کا عرصہ وہ شاہ اسحٰق کے زیرِ تربیت گزار چکے تھے۔ ۴۰ سالہ نامور عالم دین کے مدمقابل ۲۵ سالہ نوآموز کو ترجیح دینا کچھ عمدہ بات دکھائی نہیں دیتی۔ پھر لقب میاں صاحب کا سید نذیر حسین پر چسپاں ہوجانا اس بات کا سب سے بڑا ثبوت ہے کہ اس دور کے ہر خاص و عام نے آپ ہی کو خاندان ولی اللہ کا جانشین سمجھا تھا۔ مزید برآں ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے متصلاً بعد اسی سال شاہ عبدالغنی ہند سے جانب حجاز ہجرت کر گئے۔ گویا ان کی مسند خالی ہوگئی۔ اگر وہ بفرض محال مسند شاہ اسحٰق پر بھی فائز تھے تو وہ اسے چھوڑ کر خود ہی چلے گئے اور دیوبند ۱۸۶۶ء میں وجود میں آیا۔ اگر دیوبند کو مدرسہ رحیمیہ کی نشأۃ ثانیہ سمجھا جائے تو شاہ عبدالغنی کی ہجرت اور دارالعلوم کے قیام کا درمیانی عرصہ (دس سال تک) یہ مسند خالی رہی۔ اور پھر بساط بچھی تو وہ بھی دہلی میں نہیں بلکہ دیوبند میں۔

اس قسم کی صورتِ حال سے ہم بخوبی عہدہ برآ ہوجاتے ہیں جب ہم حقیقت کو تسلیم کرلیں اور حقیقت یہ ہے کہ مسند اسحٰق جناب سید نذیر حسین کو ملی۔ وہ نہ صرف ۱۸۵۷ء تک دورانِ جنگ بھی جبکہ کسی کو گرد و پیش کا ہوش بھی نہ تھا مسند پر بیٹھے عارف باللہ مولانا غلام رسول اور سید عبداللہ غزنوی کو پڑھاتے نظر آرہے ہیں۔ اور پھر جنگ کے بعد بھی (سوائے ان چند ماہ کے جب انگریزوں نے دہلی کو اہل دہلی سے مکمل طور پر خالی کرالیا تھا اور چند ماہ بعد واپسی کی اجازت دی) ۱۹۰۲ء تک تبدیلی مقام (کیونکہ جنگ کے بعد اورنگ آبادی مسجد مسمار کردی گئی تھی اور ... میاں صاحب پھاٹک حبش خاں میں چلے گئے تھے) اس مسند پر اس شان سے براجمان رہے کہ عالم اسلام کے گوشے گوشے سے طلبا کسب فیض کے لیے آتے رہے۔